خلافت کی حقیقت

ڈاکٹر مستفیض احمد علوی *

لفظ ''خلافت'' قرآنِ مجید میں نہیں آیا، لیکن جس سہ حرفی مادہ سے یہ لفظ ترکیب پایا ہے، اس سے ماخوذ کئی دیگر الفاظ کتابِ الٰہی میں مذکور ہیں، جن سے نہ صرف خلافت کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم واضح ہوتا ہے بلکہ خلافت کی حقیقت بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے اہم ''خلیفہ'' کا لفظ ہے جو کتاب الٰہی میں دو مقامات پر موجود ہے۔

قرآن مجید کی سب سے طویل سورہ البقرۃ، میں تخلیق آدم کا بیان تفصیل سے آیا ہے۔ مذکورہ آیات میں دربار خداوندی کی اس ملکوتی محفل کا تذکرہ ہے جس میں رب کائنات نے فرشتوں کو اپنے اس فیصلے سے آگاہ فرمایا کہ وہ زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿اِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيْفَةً ط﴾(۱)

سیاق وسباق کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعلان دراصل ایک طرف، بعثت آدم کا پس منظر بیان کرتا ہے اور دوسری طرف، دنیائے ارضی میں انسان کی حیثیت اور اس کے مقام کا تعین بھی کرتا ہے۔ اس بنیاد پر یہ آیۃ کریمہ، آیتِ خلافت قرار پاتی ہے۔ لہٰذا قرآن پاک کی اس آیت کا بنظر عمیق مطالعہ ضروری ہے تاکہ تصور خلافت واضح ہو سکے۔ پہلے ہم اس آیت کے الفاظ پر غور کرتے ہیں:

ابن جریر الطبری کے بقول ''انی جاعل'' سے مراد ''انی فاعل یا انی خالق'' ہے کیونکہ قرآن میں جعل، خلق کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ (2) امام راغب اصفہانی نے جعل کے معانی...... بنانا، ایجاد کرنا، پیدا کرنا اور حکم لگانا لکھے ہیں۔ (3)

سیاق وسباق کو سامنے رکھیں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں آدمؑ کو پیدا کرنے اور

---

* صدر شعبہ علوم اسلامیہ، IWISH اسلام آباد۔

انہیں خلیفہ بنانے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ گویا انی جاعلٌ سے مراد تخلیق و بعثت آدم ہے جیسا کہ بعد کی آیات سے واضح ہو جاتا ہے۔

اس آیت کا دوسرا اہم لفظ '' الأرض '' ہے۔ تحقیقی مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ لفظ قرآن مجید میں دو طرح سے استعمال ہوا ہے۔ بعض مقامات پر تو کسی خاص علاقۂ زمین یا ریاست کے لئے...... مثلاً سلطنت روم کے تذکرے میں بطور علاقہ زمین کے، یہ لفظ یوں آیا ہے:

﴿غُلِبَتِ الرُّومُ0 فِيٓ أَدۡنَى الۡأَرۡضِ...... ﴾(4)

(روم مغلوب ہو گیا، قریب کے خطۂ زمین میں)

اسی طرح سرداران قوم کی طرف سے فرعون کو، حضرت موسیٰؑ کے خلاف تنبیہ میں، یہی لفظ ریاست کے معنوں میں استعمال ہوا ہے:

﴿ يُرِيدُ أَنۡ يُخۡرِجَكُم مِّنۡ أَرۡضِكُمۡ ...... ﴾(5)

(یہ تمہیں تمہاری ریاست سے نکالنا چاہتا ہے)

لیکن قرآن مجید میں اکثر مقامات پر اس لفظ کا بالعموم استعمال، پورے خطۂ زمین کے لئے ہوا ہے۔ یہ حقیقت ہر اس آیت سے ظاہر ہوتی ہے جس میں زمین کا ذکر آسمانوں کے ساتھ ساتھ موجود ہے: مثلاً

﴿ اِنَّ رَبَّكُمُ اللهُ الَّذِيۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡأَرۡضَ فِيۡ سِتَّةِ أَيَّامٍ...... ﴾(6)

امام راغب کے مطابق '' ارض '' کے معنی جرم (سیارہ/قطعہ/خطہ) کے ہیں جو ''سما'' (آسمان) کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد کسی چیز کا نچلا حصہ بھی ہوتا ہے۔ (7)

کچھ مفسرین، اول الذکر مفہوم کی روشنی میں آیت خلافت کے ضمن میں '' الارض '' سے مراد صرف مکہ کی سرزمین لیتے ہیں۔ مثلاً ابن جریر طبری، عبدالرحمٰن بن سابط اور حسن وقتادہ کی روایت کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقيل وأن الأرض التي ذكرها في هذه الآية هي مكة۔(8)

امام فخر الدین رازی کے مطابق یہاں پورا خطۂ زمین ہی مراد ہے، لہٰذا وہ فرماتے ہیں:

الظاهر أن الأرض التي في الآية جميع الأرض من المشرق الى المغرب (9).

یہ بھی قرین قیاس ہے کہ یہاں مکہ کی سرزمین اور پورا خطہ زمین، دونوں، بیک وقت مراد ہوں۔ ہمارے اس خیال کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ قرآن نے انسانی تہذیب وتمدن کا ماخذ مکہ کی بستی کو ہی قرار دیا ہے۔ ایک تو اس طرح کہ مکہ کو ''ام القریٰ'' (بستیوں کی ماں یعنی تہذیب وتمدن کی بنیاد) کے نام سے پکارا گیا ہے۔ (10) اور دوسرے یوں کہ انسانوں کے لئے قائم ہونے والے پہلے خانہ خدا کا مرکز بھی اسی شہر کو قرار دیا:

﴿اِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ؀﴾ (11)

اور یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ مکہ میں بیت اللہ کی تعمیر، زمین پر آنے والے سب سے پہلے انسان، حضرت آدمؑ کے ہاتھوں ہوئی۔ اسی لئے قرآن مجید نے خانہ کعبہ کو ''بیت العتیق'' بھی کہا ہے۔ (12)

ہبوط آدم یعنی انسان کے زمین پر نزول کے حوالے سے قرآن مجید کہتا ہے:

﴿وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ج وَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ؀﴾ (13)

یہ ہبوط آدم دنیا میں کہاں ہوا تھا؟ قرآن اس باب میں خاموش ہے اور تفسیروں میں جو روایتیں منقول ہیں ان میں سے کوئی حدیث صحیح کے درجے کی نہیں، بلکہ سب کا ماخذ اسرائیلیات ہی ہیں۔ (14)

تاہم درج بالا قرآنی دلائل کی روشنی میں قرین قیاس ہے کہ انسانی تمدن کا آغاز سرزمین مکہ ہی سے ہوا۔ لہٰذا ان حقائق کی زمانوی ترتیب اور باہم تطبیق سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کوئی مشکل بات نہیں کہ مذکورہ بالا حوالوں میں '' الارض '' سے مراد خانہ کعبہ کی سرزمین مکہ اور اس مقدس خطہ کی امین، پوری سطح زمین ہے اور یہاں یہ لفظ خاص اور عام، دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

بعدازیں، ہم آیت خلافت کے لفظ ''خلیفہ'' کا تحقیقی مطالعہ کرتے ہیں۔اس سلسلہ میں سب سے مقدم سوال اس کے لغوی معنی کا ہے؟..........اسی سے خلافت کا مفہوم سامنے آسکے گا۔

لغوی تحقیق

اہل لغت نے خلافت کا مادہ ''خـلـف'' بتایا ہے جو کہ ان کے بقول قدام کی ضد ہے۔یہ قرآن مجید میں خَـلْفُ اور خَـلَفَ کی صورت میں آیا ہے۔(15) خلف کے معنی پیچھے رہ جانے اور جانشین ہونے کے ہیں اور اسی سے خلافۃ بمعنی نیابت و جانشینی کے آتا ہے.....ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

و هي تكون اسماً و ظرفاً، (فاذا كانت اسما جرت بوجوه الاعراب، و اذا كـانـت ظـرفـا لـم تـزل نـصبـا على حالها) .... و قوله : و الخلف : الظهر...و التخلف: التأخر۔(16)

گویا یہ لفظ خلف، سے ماخوذ ہے جو اسم اور ظرف کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔اس کے معنی پیچھے، بعد میں یا تاخیر سے آنے والے کے ہیں۔

اسی سے استـخـلا ف یعنی قائم مقام ہونے، بعد میں آنے اور کسی کے جگہ لینے کا عمل، ترکیب پاتا ہے۔اس عمل سے گزرنے والے کو خلیفہ اور خود اس عمل کو خلافت کہا جاتا ہے۔(17)

القاموس میں فیروز آبادی نے اس سلسلہ میں جو لغوی بحث کی ہے اس کا خلاصہ کچھ یوں بنتا ہے:

الـخليفة جبل مشرف على اجياد الكبير... و الخليفة السلطان الأعظم و يـؤنـث كـالـتـخليف ج خلائف و خلفاء و خلفه خلافة كان خليفة و بقى بعده (18) گویا خلیفہ بڑے پہاڑوں میں سے نمایاں اور ممتاز پہاڑ کو بھی کہتے ہیں اور اسی مناسبت سے ریاست کے سب سے بڑے حاکم کا نام خلیفہ ہوتا ہے۔اس لفظ کی جمع خلائف اور خلفاء آتی ہے۔اول الذکر قرآن میں چار اور ثانی الذکر تین مرتبہ مذکور ہے۔(19)

علامہ مرتضی زبیدی نے بھی خلیفہ اور خلافت کا مادہ خلف قرار دے کر اس کے معانی کی

تفصیل یوں بیان کی ہے:

والخلف : القرن بعد القرن (ایک زمانہ/طبقہ) کے بعد دوسرا)......(بہت بڑا کلہاڑا)و الخلف : المربد، أو الذي وراء البيت (اونٹوں وغیرہ کا) باڑہ یعنی گھر کے پیچھے کی عمارت)......الظهر بعينيه (بالکل اسی طرح پشت) خلفه أي: بعده (اس کے پیچھے آیا یعنی اس کے بعد واقع ہوا)......ان معانی کی روشنی میں انہوں نے خلف کا اسم فاعل خلیفۃ اور خلیف متعین کیا ہے۔اسی سے مصدر خلافت ہے:۔و خلف في قومه خلافة، بالكسر ، على الصواب و القياس يقتضيه، لأنه بمعنى الامارة (20)(اور اپنی قوم میں خلافت سنبھالی بعد میں ۔۔ یہ کسر کے ساتھ درست ہے اور قیاس کا تقاضا ہے کہ اس کا مفہوم امارت یعنی سربراہی کا ہے۔

ان تمام مفاہیم کو سامنے رکھ کر امام راغب اصفہانی کے الفاظ میں خلافت کی درج ذیل جامع تعریف کی جا سکتی ہے:

الخلافة، النيابة من الغير اما لغيبة المنوب عنه و اما لموته و اما لعجزه و اما لتشريف المستخلف (خلافت دوسرے کی نیابت کا نام ہے خواہ یہ جانشینی اس کی غیر حاضری کی وجہ سے ہو یا اس کی موت کے سبب سے......اس کے عجز کی وجہ سے ہو یا نائب کو عزت و شرف دینے کی بنیاد پر اور یہی آخری سبب ہے جس کی بنیاد پر انسان کو خلیفۃ اللہ کہا گیا ہے۔(21)

گویا خلیفہ، خلف سے ماخوذ ہے جس کے معنی بعد میں آنے ،نمایاں ہونے، قائم مقام یا نمائندہ ہونے ،سربراہی کرنے ، ذمہ داری ادا کرنے اور معزز و مشرف ہونے والے کے ہیں اور خلیفہ کے اس مقام و حیثیت ، ذمہ داری اور حدود کار کا نام خلافت ہے۔

اصطلاحی مفہوم

خلیفہ اور خلافت کے اس لغوی مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے ہم جمہور مفسرین کی ان آراء کا مطالعہ کریں گے جو مذکورہ بالا آیت خلافت کے ضمن میں لفظ ''خلیفہ'' کی تشریح میں وارد ہوئی ہیں۔اس تجزیئے کہ ذریعے درج ذیل سوالوں کا جواب مطلوب ہے۔(i) خلیفہ سے مراد کون ہے؟ اور (ii) خلافت کی نوعیت کیا ہے؟

ابن جریرالطبری لکھتے ہیں:الخلیفة، الفعلیة، من قولك : خلف فلان فلانا في هذا الأمر اذا قام مقامه فیه بعده (22)علامہ ابن الجوزی کے بقول:هو القائم مقام غیره (23)......اسی طرح علامہ زمخشری اورامام رازی لکھتے ہیں:من یخلف غیره --- و یقوم مقامه (24)علامہ قرطبی کے مطابق:(خلیفہ)یکون بمعنی فاعل، أی یخلف من کان قبله من الملائکة فی الأرض أو من کان قبله من غیر الملائکة علی ما روی (25)امام الشوکانی فرماتے ہیں: و الخلیفة هنا معناه الخالف لمن کان قبله من الملائکة(26)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ خلیفہ کے معنی قائم مقام ہونے والے اور کسی دوسرے کے بعد اس کی جگہ لینے والے کے ہیں۔اور یہاں اس سے مراد وہ ہستی ہوئی جو زمین پر بسنے والی پہلی مخلوق کی جگہ اس کے بعد لے گی۔

ابن جریر لکھتے ہیں:وذالك الخلیفة هو آدم ومن قام مقامه فی طاعة الله والحکم بالعدل بین خلقه (27)یعنی یہاں خلیفہ سے مراد آدمؑ ہیں اور ہر وہ شخص کہ جو اللہ کی اطاعت اور مخلوق خدا کے درمیان عدل کی حاکمیت کے لحاظ سے آدم کا قائم مقام ہو۔اس سلسلہ میں امام قرطبی کی رائے یہ ہے:

والمعنی بالخلیفة هنا...فی قول ابن مسعود، ابن عباس و جمیع اهل التاویل... آدم علیه السلام،وهو خلیفة الله فی امضاء احکامه واوامره لانه اوّل رسول الی الارض(28)

خلیفہ ہونے کے مصداق آدمؑ ہیں۔کہ وہ زمین پر اللہ کے پہلے رسول اور اللہ کے احکام و ہدایات کو جاری کرنے کے حوالے سے اس کے نائب ہیں۔اس بات پر ابن عباس اور ابن مسعود سمیت تمام مفسرین متفق ہیں۔

امام الشوکانی لکھتے ہیں: قیل هو آدم وقیل کل من له خلافة فی الأرض(29) خلیفہ یہاں آدمؑ کو کہا گیا ہے اور ہر اس فرد کیلئے جو زمین کی نیابت پر فائز ہو......

علامہ طنطاوی نے اس مفہوم اوراس کے اطلاق میں یوں اضافہ کیا ہے: وھو آدم ، وھکذا الأنبیاء فھم خلفاء الله فی سیاسة العباد وھدایتھم لبعد مراتبھم عن الفیض الالھی (30) خلیفہ سے مراد آدمؑ ہیں اوراسی طرح تمام انبیاء اللہ کے نائبین ہیں۔ انسانوں کے اجتماعی معاملات اوران کی ہدایت کے اہتمام میں، اپنے اپنے درجے اور باری پر جو کہ اللہ کے فیض سے انہیں عطا ہو۔

علامہ آلوسی نے خلیفہ کی جامع تشریح یوں کی ہے:

الخلیفة ... من یخلف غیره وینوب عنه والھاء للمبالغة، ولھذا یطلق عـ المذکر و المشھور ان المراد به آدم علیه السلام ... انه خلیفة الله فی ارضه ، وکذاکل نبی استخلفھم فی عمارة الارض وسیاسة الناس وتکمیل لنفوسھم وتنفیذا مره (31) مطلب یہ ہوا کہ خلیفہ سے مراد وہ ہستی ہے جو کسی دوسرے کے بعد آئے اس کی جگہ لے، اس کی ذمہ داریاں ادا کرے یا اسکا نائب بن کر کام کرے...... (یہاں ة مبالغہ کی ہے اور مذکر پر دلالت کرتی ہے)...... اور یہ بات معروف ومعلوم ہے کہ یہاں آدمؑ، خلیفہ کے مصداق ہیں کہ وہ زمین پر اللہ کے نائب ہیں جس طرح سارے انبیاء خلافت سنبھالتے رہے۔ زمین کی آبادکاری، انسانوں کے اجتماعی معاملات کی تہذیب اور ربِ کائنات کے احکام کی تنفیذ کے معاملات میں......

قرآنی تصور...... خصوصی اور عمومی خلافت

خلیفہ اور خلافت کا مندرجہ بالا مفہوم اس حدیث سے بھی ماخوذ ہے جس میں رسول خداﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ بنی اسرائیل کی سیادت انبیاء کرتے تھے۔ اور یہ مفہوم ان قرآنی آیات سے بھی مطابقت رکھتا ہے جن میں بعض ابنیاء کی خلافت (زمین میں ریاستی حاکمیت) کا باقاعدہ ذکر ہے۔ اس سلسلہ میں خاص طور سے قابل ذکر داودعلیہ السلام کی خلافت سے متعلق سورہ صٓ کی چھبیسویں آیت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ

وَلَاتَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط﴾

(اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ مقرر کیا ہے پس آپ لوگوں کے درمیان سچائی کا فیصلہ کیجئے اور نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے)۔

گویا اس آیت میں خلافت کا پورا دستور آ گیا ہے اور وہ یہ کہ خلیفہ کا تقرر اللہ کی طرف سے، زمین کے لیے ہے، اور اس ذمہ داری کا بنیادی کام انسانوں کے درمیان عدل کی حاکمیت ہے اور یہ خواہش نفس سے اجتناب پر مبنی ہونی چاہئے۔

یادرہے کہ ''حکم'' کا لفظ قرآن میں حکومت اور عدالت (یعنی حاکمیت اور منصفی) دونوں کے لئے مشترک استعمال ہوتا ہے(32)

علامہ ابن کثیر اس آیت کی تشریح یوں فرماتے: هذا وصية من الله عزوجل لولاة الأموران يحكموا بين الناس بالحق المنزل من عندهٔ تبارك وتعالى الا يعدلوا عنه فيضلوا عن سبيل الله (33) گویا یہ ہدایت ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکومتی معاملات کو چلانے کی کہ انسانوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ حق کے مطابق فیصلے کئے جائیں اور اس دستور کی خلاف ورزی اللہ کی راہ سے بھٹکنے کے مترادف ہے.......... اس اصول کی تاکید قرآن نے خلافت یوسف کے تذکرہ میں بھی ﴿اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ط﴾(34) کے ارشاد سے کی اور خلافت ارضی کو حکم اور علم کیساتھ مربوط کر کے راستی کیساتھ مشروط کیا ہے۔ گویا اس شرط کے بغیر انسان خلافت کے مرتبے سے محروم ہو جاتا ہے۔

اس دستور کی مزید وضاحت سورۃ الاعراف کی وہ آیات کرتی ہیں جو حضرت موسیٰؑ کی جانشینی کے حوالے سے حضرت ہارون علیہ السلام کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی نیابت اپنے بھائی ہارون کو دیتے ہوئے کہتے ہیں:

﴿وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ٥﴾

(اور کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہ میری قوم میں میری نیابت کا فریضہ انجام دیجئے

اور اصلاح کا کام کرنا ہے، فساد پھیلانے والوں کے ہاتھوں استعمال نہیں ہونا ہے)

گویا خلافت اصلاح کے راستے پر راستی سے چلنا اور معاشرے کو فساد سے محفوظ رکھنے کا نام ہے۔ اس معیار پر پورا نہ اترنے پر حضرت موسیٰؑ اپنی قوم اور بھائی سے ناراض ہوئے:

﴿وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِنْ بَعْدِي ۖ﴾ (35)

گویا حقوق اللہ اور حقوق العباد میں غفلت و کوتاہی کی صورت میں خلافت اپنا حقیقی مفہوم کھو دیتی ہے، جس سے راستی اور عدل کے راستے پر چلنا ممکن نہیں رہتا۔ جبکہ قرآنِ مجید کا یہ فیصلہ ہے کہ انبیاء کی بعثت انسانوں میں قیام قسط و عدل کیلئے ہوئی ہے:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۖ ......﴾ (36)

(تاکید ہم نے رسولوں کو بھیجا واضح دلائل کیساتھ اور ان کے ساتھ نازل کی کتابیں اور حق و باطل میں تمیز کا پیمانہ تاکہ انسان عدل پر قائم ہوں)

خلافت کی حقیقت

خلیفہ اور خلافت کی اس تعریف اور وضاحت کیساتھ کچھ سوالات ایسے ابھرتے ہیں کہ جن کے جواب کے بغیر بات نامکمل رہے گی۔ وہ سوالات درج ذیل ہیں:

(ا) خلیفہ کے تقرر کا اختیار اور حق کس کے پاس ہے؟...... آیا یہ خلافت اللہ کی نیابت ہے یا انسان سے پہلے زمین پر موجود مخلوق کی جانشینی اور قائم مقامی۔

(ب) یہ خلافت آدمؑ کو انسان ہونے کیوجہ سے عطا ہوئی یا نبی ہونے کی بنیاد پر؟ (یعنی اگر نبی ہونے پر تھی تو آخری رسول ﷺ کیساتھ مکمل ہوگئی بصورت دیگر جاری ہے)

(ج) آیا ہر انسان اپنی حیثیت میں (محض انسان ہونے کی وجہ سے ''خلیفۃ اللہ'' ہے یا خلافت منتخب انسانوں کو خاص خصوصیات اپنانے پر ہی حاصل ہوتی ہے؟

(د)　اسلامی تعلیمات میں خلافت کا بطور سیاسی اصطلاح کے کیا مفہوم ہے اور اسکا اطلاق کس طرح کی حکومت پر ہوتا ہے؟......ان سوالات کے جوابات کی تحقیق ضروری ہے۔

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے تو اس کا جواب گذشتہ صفحات میں مفسرین کی ان آراء سے واضح ہو چکا ہے جو ہم نے خلافت آدم کے سلسلہ میں نقل کی ہیں۔ اس سلسلہ میں آیت خلافت......﴿اِنِّی جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً......﴾ اور اس کے سیاق وسباق سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ خلیفہ بنانے کا حق، اختیار اور قدرت تو اسی کو ہوگی جو اس حیثیت کا اصل مالک ہو، جس کی نیابت عطا کرنا مقصود ہے۔ اور یہ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے ﴿اَلَا لَهُ الۡخَلۡقُ وَالۡاَمۡرُ ط تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَo﴾(37)

اس سوال کے دوسرے حصے والا معاملہ اس لیے اہم ہو جاتا ہے کہ خلیفہ کا اولین معنیٰ ''کسی دوسرے کے بعد اس کی جگہ لینے والا'' ہیں......اس لحاظ سے علامہ قرطبی اور امام الشوکانی کی وہ آراء جو ہم لفظ خلیفہ کے معانی کے سلسلہ میں تحریر کر چکے ہیں، قابل غور ہیں۔ اس مفہوم کی روشنی میں یوں معلوم ہوتا ہے کہ آیت خلافت کے الفاظ دراصل اللہ تعالیٰ کیطرف سے ایسی مخلوق بنانے کا اعلان ہے جو اس زمین پر پہلے سے موجود ملائکہ یا غیر ملائکہ کی جگہ لے سکے گی (یعنی ان کے بعد آئے گی)

یہ رائے دراصل عبداللہ بن عمرؓ اور ابوالعالیہؒ (وغیرہ) کی ان روایات سے ماخوذ ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ آدم کی تخلیق سے پہلے فرشتے اور جنات بھی زمین پر آباد رہے اور جنات کے فتنہ وفساد کی بنیاد پر ہی فرشتوں نے خلیفہ کی تخلیق کے فیصلے پر رب کائنات کی عدالت میں عرض کیا تھا کہ یہ خلیفہ، پہلوں کیطرح زمین میں فساد کا باعث بن جائے گا۔

اس معاملے کی وضاحت کیلئے ہم مفسرین سے رجوع کرتے ہیں......

عبدالرحمٰن ابن الجوزی نے خلافت کے بارے میں دو قول نقل کیے ہیں: احدهما: انه خليفة عن الله تعالى فى اقامة شرعه ودلائل تو حيده والحكم فى الخلقه، وهذا قول ابن مسعود، مجاهد...والثانى: انه خلفه من سلف فى الارض قبله و هذا قول ابن عباس والحسن (38)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اقامت شریعت اور مخلوق پر حاکمیت کے لحاظ سے تو انسان اللہ کا نائب ہے اور جگہ لینے کے معنوں میں زمین کی سابق مخلوق کا قائمقام ہے...... ابن کثیر نے ثانی الذکر مفہوم کی حامل روایات نقل کر کے اپنی رائے یہ دی ہے کہ یہ روایات قابل اعتبار نہیں ۔۔ ابی جعفر کی روایت کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ:

هـذا أثر غريب و بتقدير صحة أبي جعفر ... فهو نقله عن أهل الكتاب و فيه نكارة توجب رده و الله أعلم. (39)

(یہ ایک غریب روایت ہے جس کی صحت کا انحصار محض ابی جعفر پر ہے...... پس یہ اس نے اہل کتاب سے نقل کی ہے۔ اس کی تردید لازم ہے۔)

ہمارے خیال میں اگر یہ روایات درست بھی ہوں کہ انسان سے پہلے (جن و ملائکہ میں سے) کوئی مخلوق زمین پر موجود تھی اور آدم ان کی جگہ پر آباد ہونے کی وجہ سے خلیفہ ہیں تو بھی آدم کے نائب حق تعالیٰ ہونے کی حیثیت پر اثر نہیں پڑتا، اس لئے کہ آیت خلافت کے سیاق و سباق میں آدم کے علم کی فوقیت کا باقاعدہ ذکر، اس کے مسجود ملائک ہونے کا مرتبہ اور زمینی زندگی میں بنی نوع انسان کا نظام زندگی دیکھ کر عقل قائل ہو جاتی ہے کہ یہ خلیفہ دنیائے انسانی کے معاملات سلجھانے میں اللہ کا نائب ہے نا کہ محض سابق مخلوق ارضی کی جگہ لینے والی ہستی...... امام رازی کے قیمتی الفاظ سے اس رائے کو یوں تقویت ملتی ہے کہ:

"انما سماه الله خليفة لأنه يخلف الله في الحكم بين المكلفين من خلقه و هو المروي عن ابن مسعود و ابن عباس و السدي، و هذا الرأي متأكد بقوله: ﴿ انا جعلناك خليفة في الأرض فاحكم بين الناس بالحق ۔ ص:۲۶﴾ (40) بیشک اللہ نے (انسان کا) نام خلیفہ اس لئے رکھا کہ یہ وہ ہستی ہوگا جو اللہ کی مخلوق میں حاکمیت و منصفی کی ذمہ داری ادا کرے گا۔ یہی مفہوم ابن مسعود، ابن عباس اور سدی سے مروی ہے اور اسی خیال کو تقویت اس آیت سے ملتی ہے کہ "بے شک ہم نے آپ کو زمین پر خلیفہ بنایا پس لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے")

یہ رائے اس لئے بھی مستند ہو جاتی ہے کہ قرآن پاک نے خلیفہ، تخلف اور استخلاف کے الفاظ اسی مفہوم میں جا بجا استعمال کئے ہیں۔ چند مثالیں نمائندہ مفسرین کی تشریح کے ساتھ ملاحظہ ہوں۔

سورہ النمل کی آیت ۶۲ کے الفاظ: ﴿ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْأَرْضِ ط ﴾ کے ضمن میں علامہ ابن جریر نے: و يستخلف بعد أمرائكم في الأرض لکھا ہے اور النور آیت ۵۵ کے لفظ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ کی تشریح میں ليورثهم الله أرضا لکھا ہے۔(41) ابن الجوزی ان الفاظ میں فيجعلهم ملوكها و ساستها و سكانها کا اضافہ کرتے ہیں۔(42) (یعنی خلافت سے مراد زمین کی امارت، وراثت، حکمرانی و سیادت ہے)

علامہ زمخشری نے ﴿خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ﴾ کی تشریح (سورہ ص میں) یوں کی ہے:

أي استخلفناك على الملك في الأرض، كمن يستخلفه بعض السلاطين على بعض البلاد قبلك من الأنبياء القائمين بالحق۔ یعنی یہ کہ ہم نے آپ کو زمینی حکمرانی کا وارث بنایا جس طرح بادشاہ سلطنتوں میں سیادت حاصل کرتے ہیں..........

اوران کے بقول: زمین میں اللہ کے خلفاء، سے مراد ہے کہ آپ کو اس کام میں خلافت ملی ہے جسے حق پر قائم رہنے والے نبیوں نے انجام دیا۔ اسی طرح وہ سورۃ الحدید (آیت: ۷) کے الفاظ مستخلفين فيه کے لئے لکھتے ہیں:

''و جعلكم خلفاء في التصرف فيها''......اور انہوں نے الاعراف آیت: ۶۹ کے الفاظ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ کی تشریح جعلكم ملوكا في الأرض سے کی ہے۔(43)

گویا مفسرین کرام نے استخلاف کو اختیار و تصرف کے معنوں میں لیا ہے اور اس لحاظ سے خلافت سے مراد زمینی اختیارات میں نیابت لیا گیا ہے جیسا کہ ابوالکلام لکھتے ہیں:

''قرآن مجید کی زبان میں، خلافت اور'' استخلاف فی الأرض ''اور'' وراثت و تمكن في الأرض '' سے مقصود زمین کی قومی عظمت و ریاست اور قوموں اور ملکوں کی حکومت و سلطنت ہے''۔(44)

خلاصہ بحث

اس ساری بحث کا خلاصہ ہم یوں سمجھ سکتے ہیں کہ خلافت آدم لفظی معنیٰ کے لحاظ سے سابق زمینی مخلوق کی جگہ لینے کا نام ہے لیکن اپنے حقیقی عملی مفہوم کے لحاظ سے دنیا میں اختیار وتصرف کا نام ہے۔ یہ تصرف اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت، اسی کے عطاء کردہ اصولوں کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لئے ہو تو انبیاء کی صورت میں، نیابت الٰہی ٹھہرتا ہے۔ بصورت دیگر محض سیاسی حاکمیت تک محدود رہتا ہے۔

قرآن نے واضح الفاظ میں بیان کیا ہے کہ تمام انبیاء بنیادی طور پر انسان ہوتے ہیں۔ وہ ان کے لئے بنی آدم، بشر، انسان اور عبد کے اسمائے نکرہ استعمال کرتا ہے۔(45) تاہم ان کا یہ مقام اور امتیاز بتصریح بتاتا ہے کہ وہ اللہ کے پسندیدہ، برگزیدہ اور چنے ہوئے افراد ہوتے ہیں جن کی طرف وحی، فرشتے اور کتب کا نزول ہوتا ہے جس کی بنیاد پر وہ نبی، مرسل، ھادی اور رسول کے مقام پر فائز ہو جاتے ہیں۔(46) اس حیثیت میں وہ اللہ کی براہ راست نگرانی میں اس کے نائب اور نمائندہ کے طور پر کام کرتے ہیں جبکہ دوسری طرف وہ اس اعزاز کی بنیاد پر انسانیت کے راہبر اور امام ٹھہرتے ہیں۔(47) لہٰذا نبی کو خلافت، بمعنی نیابتِ الٰہی، نبوت کی بنیاد پر ملتی ہے اور خلافت بمعنی تصرف في الدنیا انسان ہونے کی بنیاد پر عطا ہوتی ہے وہ بیک وقت دونوں معنوں میں خلیفة اللّٰه في الأرض ہوتے ہیں...... یہ خلافت خصوصی ہے جس کے مصداق تمام انبیائے کرام ٹھہرتے ہیں، البتہ زمینی بادشاہت اور ریاست کی حاکمیت (کے معنوں میں خلافت) کسی کسی نبی کو میسر آتی رہی ہے، تمام کو نہیں۔(48) بائیبل اور قرآن کے بیان کے مطابق آدم چونکہ زمین پر پہلے انسان اور پہلے نبی تھے لہٰذا ان کی تخلیق اور بعثت وخلافت کا ذکر ایک ساتھ کر کے ایک خاص مدت تک کے لئے زمین پر روانہ کر دیا گیا۔ یوں ان کی خلافت ارضی انسان ہونے کی بنیاد پر تھی جبکہ نیابت الٰہی انہیں نبی ہونے کی وجہ سے عطا ہوئی۔(49)

قرآن کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ خلافت نبوت کے ساتھ مشروط نہیں، اگر ایسا ہوتا تو ختم نبوت کے اعلان کے ساتھ ختم خلافت کا اعلان بھی کر دیا جاتا...... خلیفہ ارضی کے لئے وَ

لَکُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ کی مہلت عمل، خلافت ارضی کے جاری رہنے پر دلالت کرتی ہے۔(50) البتہ خلافت بمعنی نیابت الٰہی اور امامت انسانیت ہر کس و ناکس کیلئے مقدر نہیں۔ یہ کچھ شرائط اور معیارات کی بنیاد پر رب کریم کی طرف سے عطا ہوتی ہے:۔

ایں سعادت بزور بازو نیست ۔۔۔ تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۲۴ کا مطالعہ بہت ضروری ہے، جہاں رب کائنات کی طرف سے ابراہیم علیہ السلام کی امامت و خلافت کا اعلان بھی ہے اور اس کی بنیادی شرط کا تقرر و اظہار بھی!

﴿وَ اِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّهٗ بِکَلِمٰتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ۝﴾

(اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند معاملات میں آزمایا اور وہ اس میں پورا اترا تو (رب نے) کہا کہ میں تمہیں انسانوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ (ابراہیم نے) کہا میری نسل سے بھی؟ (امام بنائیں گے) ارشاد ہوا کہ میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچے گا)

یعنی انسانیت کی امامت کے لئے ابراہیم جیسی صفات سے متصف ہونا ضروری ہے۔ اوصاف خلافت سے خالی.......... ظلم کی راہ پر چلنے والے اس کا مصداق نہیں ٹھہر سکتے کیونکہ عدل، راستی اور نور سے دور ہٹ جانے کا معنی ظلم ہے(51) اور اللہ کی طرف سے امامت انسانیت کا وعدہ ظالموں کے لئے نہیں ہے۔۔ اس کے علی الرغم یہ وعدہ ایسے لوگوں کے لئے قرآن میں ہمیشہ کے لئے درج کر دیا گیا ہے جو ایمان و عمل کے ان معیارات پر پورے اتریں جو خلافت کے شایان شان ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ أٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ......﴾(52)

اس آیت کی تشریح میں مولانا مودودیؒ رقمطراز ہیں:

قرآن مجید دراصل خلافت اور استخلاف کو تین مختلف معنوں میں استعمال کرتا ہے اور ہر جگہ سیاق و سباق سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہاں کس معنی میں یہ لفظ بولا گیا ہے۔ اس کے ایک معنی ہیں

''خدا کے دیئے ہوئے اختیارات کا حاصل ہونا'' اس معنی میں پوری اولادِ آدم زمین میں خلیفہ ہے۔ دوسرے معنی ہیں ''خدا کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے امرِ شرعی (نا کہ محض امرِ تکوینی) کے تحت اختیارات خلافت کو استعمال کرنا'' اس معنی میں صرف مؤمن صالح ہی خلیفہ قرار پاتا ہے کیونکہ صحیح طور پر خلافت کا حق ادا کرتا ہے اور اس کے برعکس کافر و فاسق خلیفہ نہیں بلکہ باغی ہے، کیونکہ وہ مالک کے ملک میں اس کے دیئے ہوئے اختیارات کو نافرمانی کے طریقے پر استعمال کرتا ہے۔ تیسرے معنی ہیں ''ایک دور کی غالب قوم کے بعد دوسری قوم کا اس کی جگہ لینا'' .... پہلے دونوں معنی خلافت بمعنی ''نیابت'' سے ماخوذ ہیں اور یہ آخری معنی خلافت بمعنی ''جانشینی'' سے ماخوذ۔ اور اس لفظ کے یہ دونوں معنی لغت عرب میں معروف و معلوم ہیں۔ (53)

تاہم ہر انسان ان معنوں میں ضرور خلیفہ ہے کہ وہ اپنے سے پہلی انسانی و غیر انسانی مخلوق ارضی کا نعم البدل ہے اور دنیوی زندگی میں اختیار و تصرف کا مالک ہے۔ اسی خلافت کا ایک اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ کسی انسانی اجتماعیت کو زمینی ریاست کا اقتدار یا کسے معاشرے کی سیادت، کچھ بنیادی اوصاف کے بدولت حاصل ہو جائے۔ یہ خلافت انسانوں میں نسل در نسل منتقل ہوتی رہتی ہے..... اس تاریخی روایت کی تصدیق، کتاب الٰہی سے یوں ہوتی ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰكُمْ ؕ......﴾ (54)

(اور وہی ہے اللہ جس نے تمہیں زمین کا خلیفہ بنایا اور بعضوں کو بعضوں پر درجات میں بلندی دی تاکہ تمہیں آزمایا جائے اس میں کہ جو کچھ، تمہیں اس نے عطا کیا)

خلافت کی یہ منتقلی بالترتیب (i) قوم نوح سے عاد کی طرف (ii) عاد سے قوم ثمود کی طرف (iii) ثمود سے بنی اسرائیل کیطرف اور (iv) بنی اسرائیل سے اہل عرب اور امت مسلمہ کیطرف۔ قرآن نے سورہ ال عمران میں بیان کی ہے۔ (55)

دورِ جدید کے مفسرین نے آیت خلافت کی روشنی میں انسان کی اسی خلافت عمومی کے حوالے سے نئے پہلو اجاگر کیے ہیں۔ ان کے خیال میں انسان کی تخلیق، اس کی صلاحیتیں اور تسخیر

کائنات کی قدرت.......... خالق کائنات کی اس مشیت کا اظہار ہیں کہ اس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر اپنی نیابت کے مرتبے پر فائز کیا ہے۔

شیخ طنطاوی فرماتے ہیں کہ انسان کو ذہنی و جسمانی لحاظ سے اسطرح ترتیب دیا گیا ہے کہ وہ زمین پر اللہ کے خلیفہ کے طور پر فرائض ادا کر سکے۔ انسان کا اپنے جسم پر اختیار، خالق کل کے، کائنات پر اختیار و تصرف سے کسی حد تک مشابہت رکھتا ہے۔ اس کے حواس و اعصاب اس کی معاون مشینری ہے جس طرح بادشاہ کے معاون اس کے وزراء و امراء اور حکومتی محکمے ہوتے ہیں، جو آپس میں مربوط ہو کر نظم مملکت چلاتے ہیں۔ تمام انواع مخلوق کی صفات کا مرقع بھی انسان کو بنایا گیا ہے۔ اور جس طرح کہ ہر مخلوق اپنے ہدف اور مقصد تخلیق سے مطابقت رکھتی ہے، اسی طرح انسان ان تمام تر صفات سے مزین ہے جو کہ ایک خلیفۃ اللہ کے لیے ضروری ہیں:

هذه هى صورة الانسان الحسية والمعنوية، وهو الخليفة لله ...وكان الانسان فى الارض عالم صغيريضاهى هذاالعالم الكبير، ولذلك سمى خليفة (56)

علامہ رشید رضا لکھتے ہیں:

الخلافة عاما فى كل ماميزالله به الانسان على سائرالمخلوقات... فالانسان لهذا بقوة غير محدود الاستعداد ولامحدودالرغائب ولا محدودالعلم ولا محدودلعمل ...وهواخلق المخلوقات بهذاالخلافة (57) اس حقیقت کے آثار زمین اور اس کی وسعتوں میں ہر پہلو سے نمایاں ہیں۔ اس کے علمی اکتشافات اور عملی تسخیرات...... اس کے خلیفہ ارضی ہونے کا منہ بولتا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

سید قطب شہید کے بقول جب اللہ تعالی کی مشیت یہ ہوئی کہ انسان کو زمین کی زمام کار عطا کرنا ہے تو پھر اسکو اس مرتبے کے شایان شان قوتیں بھی عطا کی گئیں تا کہ یہ رضائے الٰہی کے تقاضے پورے کر سکے...... اسے علم کی طاقت، اس کے ہاتھ میں قوت، زمین کے وسائل اور مخفی خزانے سپرد کر دیئے گئے۔ نوامیسِ قدرت میں ہم آہنگی، ربط اور ترتیب کے ذریعے کائنات کی تسخیر انسان

کے لیے آسان کر دی گئی تا کہ وہ خلافت کے تقاضوں کو پورا کر سکے ......انسان نے اپنے ان اعزازات کے ساتھ منشائے الٰہی کے تتبع میں قدم بڑھائے تو اسے کامیابیاں ملیں، جسکا اظہار، بصیرت کی آنکھ کو آثار کائنات میں ہر لحہ میسر ہے۔

واذن فهی منزلة عظیمة،منزلة هذاالانسان،فی نظام الوجود علی هذه الارض الفسیحة، وهو التكریم الذی شاه له خالقه الكریم (58) یہ منصب خلافت دراصل انسان پر؛ اللہ کا عظیم احسان ہے، اس کی عزت افزائی ہے اور وسیع کائنات میں اس کے بلند مرتبے کا اعلان ہے۔

زمین پر اس انسانی مقام کی وضاحت کرتے ہوئے سید ابوالاعلیٰ مودودی نے خلیفہ کے مفہوم کا ایک دوسرا پہلو اجاگر کیا ہے۔ وہ سورۃ البقرۃ کی آیت: ۳۰ کے حوالے سے لکھتے ہیں: خلیفہ وہ ہے جو کسی کی ملک میں اس کے تفویض کردہ اختیارات اس کے نائب کی حیثیت سے استعمال کرے، خلیفہ مالک نہیں ہوتا، بلکہ اس کے اختیارات اصل مالک کے عطا کردہ ہوتے ہیں۔ وہ اپنے منشاء کے مطابق کام کرنے کا حق نہیں رکھتا بلکہ اس کا کام مالک کے منشاء کو پورا کرنا ہوتا ہے اگر وہ خود اپنے آپکو مالک سمجھ بیٹھے اور تفویض کردہ اختیارات کو من مانے طریقے سے استعمال کرنے لگے یا اصل مالک کے سوا کسی اور کو مالک تسلیم کر کے اس کے منشا کی پیروی اور اس کے احکام کی تعمیل کرنے لگے تو یہ سب غداری اور بغاوت کے افعال ہوں گے۔ (59)

دوسری جگہ (سورہ احزاب کی آیت: ۷۲ کی روشنی میں) انہوں نے خلافت اور خلیفہ کے الفاظ کا جامع مفہوم یوں بیان کیا ہے: خلافت کے مفہوم کو امانت کا لفظ واضح کر دیتا ہے، اور یہ دونوں لفظ نظامِ عالم میں انسان کی صحیح حیثیت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ انسان زمین کا فرمانروا ہے مگر اس کی فرمانروائی بالاصالت نہیں ہے بلکہ تفویض کردہ ہے (Delegated) لہٰذا اللہ نے اس کے اختیارات مفوضہ (Delegated Power) کو امانت سے تعبیر کیا ہے، اور اس حیثیت سے کہ وہ اس کی طرف سے ان اختیاراتِ مفوضہ کو استعمال کرتا ہے، اسے خلیفہ (Vicegerent) کہا ہے۔ اس تشریح کے مطابق خلیفہ کے معنی یہ ہوئے کہ وہ شخص جو کسی کے بخشے ہوئے اختیارات کو

استعمال کرے۔(60)

گویا زمین پر انسان کی حیثیت دوگونہ اختیار رکھتی ہے۔ایک طرف تو وہ خالق حقیقی کا نائب اور نمائندہ ہے...... بشرطیکہ وہ اخلاقی لحاظ سے اس کا اہل بھی رہے۔دوسری طرف وہ زمین کی سیاسی حاکمیت کا بھی حقدار ہے...... بشرطیکہ وہ مطلوبہ شرائط پر پورا اترے۔دونوں پہلوؤں کے اعتبار سے وہ حقیقی خلیفہ تب ہی قرار پائے گا جب وہ خالق و مالک حقیقی کی ہدایات پر عمل پیرا رہے، بصورت دیگر وہ خلافت کی نعمت عظمیٰ سے محروم رہے گا۔

علماء و حکما کی طرف سے لفظ خلیفہ کی یہ تشریح...... انسان کی تخلیق اور کائنات میں اس کے مقام کے حوالے سے قرآنی تصور کے عین مطابق ہے۔کلام الٰہی اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالتا ہے، چند نکات کی صورت میں اس کا خلاصہ حسب ذیل بنتا ہے:

(ا) انسانی تخلیق خصوصی توجہ سے، خاص مقصد کے تحت، باقاعدہ اہتمام کے ساتھ ہوئی ہے۔(ب) یہ مخلوق اعلیٰ بنیادوں پر، بہترین صلاحیتوں کے ساتھ، متوازن اور متناسب طبعی خواص سے مزین کی گئی ہے۔(ج) بنی آدم کو ضروری وسائل، تسخیر کائنات کا ملکہ اور مخلوق میں عزت و تکریم سے نوازا گیا ہے۔ (د) انسان کو آزادیٔ ارادہ کے ساتھ تصرف فی الدنیا رکھنے والی کائنات میں واحد صاحب اختیار ہستی بنایا گیا ہے۔(ر) یہ اعزازات و اختیارات اسے ایک مہلت عمل کے ساتھ بطور امانت عطا ہوئے ہیں اور وہ اس امانت و خلافت کے بارے میں اپنے مالک حقیقی کے سامنے جوابدہ ہے۔(61)

خلافت...... بطور سیاسی اصطلاح

گزشتہ صفحات کے تحقیقی مطالعہ کے ذریعے قرآنی آیات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ خلافت بمعنی نیابت الٰہی کے اولین مصداق انبیائے کرام ہیں، جنہیں رب کائنات نے انسانوں کی ہدایت و امامت اور اپنی نیابت کے لئے منتخب کیا۔قرآن کے اعلان کے مطابق انبیائے کرام کا مقدس سلسلہ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت پر ختم ہو چکا ہے۔(الاحزاب:40) لہٰذا اب کسی نبی کے بطور ''خليفة الله في الأرض ''مبعوث ہونے کے

تمام امکانات مکمل طور پر ختم ہو چکے ہیں۔ مولانا محمد شفیعؒ لکھتے ہیں:

''خاتم الانبیاء ﷺ کا زمانۂ خلافت و نیابت تا قیامت ہے، اس لئے قیامت تک آپ ہی اس زمین میں خلیفۃ اللہ ہیں: ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَاﰳ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ج ......﴾ (الاعراف:158) آپ کی وفات کے بعد نظام عالم کے لئے جو نائب ہوگا وہ خلیفۃ الرسول اور آپ کا نائب ہوگا''۔(62)

گویا قرآن کے اس وعدۂ خلافت کے مطابق جو سورۃ النور کی آیت ۵۵ میں اہل ایمان سے کیا گیا ہے، زمینی حاکمیت کے مرتبے پر فائز ہونے والا اہل ایمان کا سربراہ، بطور'' خلیفۃ الرسول '' کے، مسند خلافت پر متمکن ہوگا۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ..........الخ﴾

مفسرین قرآن اور علمائے اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ سورہ النور کی آیت ۵۵ کے وعدہ حق کی تکمیل، امتِ مسلمہ میں ''خلافت راشدہ'' کی صورت میں ہوئی ہے۔ مثال کے طور پر علامہ ابن العربی کی رائے درج کی جاتی ہے:

و قال علماؤنا : هذه الآية وعد حق و قول صدق، بدل ذلك على صحة امامة الخلفاء الأربعة ، لأنه لم يتقدمهم أحد في الفضيلة الى يومنا هذا ، فأولئك مقطوع بامامتهم ، متفق عليهم و صدق وعد الله فيهم۔(63)

گویا خلافت کی اصطلاح تاریخ اسلام میں رسول اللہ ﷺ کی جانشینی کے ساتھ مخصوص ہے اور اس سے مراد دین و دنیا کے معاملات میں رسول خدا ﷺ کی نیابت ہے۔ ادارہ خلافت، رسول خدا ﷺ کے بعد سقیفہ بنوسعد میں اس وقت معرض وجود میں آیا جب کھلے عام مباحثہ اور مشاورت کے ذریعے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں نے اپنا سربراہ منتخب کیا۔ آپ کو 'خلیفۃ اللہ'' کے نام سے پکارا گیا تو آپ نے فوراً تصحیح کی کہ میں'' خلیفۃ الرسول ﷺ'' ہوں۔(64) خلیفہ ثانی

حضرت عمر فاروق کو پہلے پہل ''خلیفة خلیفة الرسول ﷺ'' کے خطاب سے یاد کیا گیا جو بعد میں خلیفہ تک محدود ہو گیا اور صحابہ کے پکارنے پر آپ کے عہد سے ''امیر المؤمنین'' کا لفظ خلیفہ کے لئے مخصوص ہو گیا۔(65)

جناب رسول اللہ ﷺ کی جانشینی کے لئے خلافت کا لفظ خود رسول خدا ﷺ کی احادیث سے ماخوذ ہے جن میں آپ نے خلافت کے زمانہ تک کی تخصیص فرمادی تھی۔ارشاد ہوا:

تكون النبوة فيكم ما شاء الله أن تكون ثم يرفعها إذا شاء أن يرفعها ثم تكون خلافة على منهاج النبوة فتكون ماشاء الله أن تكون ثم يرفعها إذا شاء الله أن يرفعها ثم تكون ملكا۔

یعنی تمہارے درمیان نبوت رہے گی جب تک اللہ چاہے اور جب وہ چاہے گا اس کو اٹھانا، اٹھالے گا۔پھر نبوت کے طریقے پر خلافت قائم ہو جائے گی۔اسی طرح آپ ﷺ نے پیش گوئی فرمائی:

الخلافة بعدي ثلاثون عاما ثم ملك بعد ذلك اور

نبوة رحمة ثم خلافة و رحمة و في لفظ على منهاج النبوة ثم يكون ملك عضوض۔(66)

اسلامی تاریخ میں ادارہ خلافت کے لئے ولایت، امامت اور امارت کی اصطلاح بھی استعمال ہوئی ہے۔اسی بنیاد پر خلیفہ کو امام اور امیر المؤمنین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔بقول علامہ رشید رضا ''الخليفة ، و الامام و أمير المؤمنين: و هي ألفاظ ثلاثة ترتد الى معنى واحد''(67)

مثال کے طور پر الماوردی نے خلافت کی تعریف میں نبی ﷺ کی نیابت کے لئے الامامۃ کا لفظ استعمال کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

الامامة موضوعة لخلافة النبوة في حراسة الدين و سياسة الدنيا۔ (68)

تقریباً انہی الفاظ میں علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ:

الخلافة نيابة في حفظ الدين و سياسة الدنيا۔(69)

(یعنی امامت قائم ہوتی ہے نبی کی نیابت کیلئے دین اسلام کی حفاظت اور دنیا کے نظم و نسق چلانے اور اس کی اصلاح کرنے کے لئے)

اسی طرح ہم خلافت کی جامع تعریف شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں یوں کر سکتے ہیں:

خلافة (عامہ) وہ ریاست عامہ ہے جو بذریعہ علوم دینیہ کے زندہ رکھنے اور بذریعہ ارکان ... کے قائم کرنے اور بذریعہ جہاد اور متعلقات جہاد کے قائم رکھنے، عہدۂ قضا کے فرائض انجام دیے ... حدود قائم کرنے، مظالم دور کرنے، لوگوں کو اچھائی کا حکم دینے اور برے کاموں سے منع کرنے کے...... بحیثیت نائب نبی ﷺ ہونے کے بالفعل (حاصل ہوئی ہو۔(70)

یہاں یہ نکتہ بھی قابل وضاحت ہے کہ خلافت کی اصطلاح جدید سیاسی علوم کے پیمانے پر "ریاست" اور "حکومت"...... دونوں کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ تاہم صرف حکومت کی نشاندہی کرنے کے لئے لفظ امامت یا امارت بھی استعمال ہوا ہے۔ امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں: خلافت کی اصطلاح اسلامی اصولوں پر ایک قائم شدہ ریاست کے لئے استعمال ہوتی ہے اور امامت یا امارت سے مراد وہ گورنمنٹ ہوتی ہے جو خلافت کے ارادوں کی تنفیذ کرتی اور اس کے منصوبوں کو عملی جامہ پہناتی ہے۔(71)

الغرض خلافت کی اصطلاح ریاست کیلئے استعمال ہو یا (امامت/امارت/مقتدرہ قوت) حکومت کے لئے اس سے مراد نبی آخر الزماں کی نیابت و جانشینی ہے جس کا مقصد دین کی حفاظت، دنیا کی اصلاح اور انسان کی فلاح و بہبود ہے۔ ان اصولوں کی بنیاد پر جو کہ خود رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی روشنی میں رب کائنات کی براہ راست ہدایت کے تحت متعین کر دیئے ہیں۔ اسلامی ریاست اور اسلامی حکومت دراصل ہر اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کی جانشینی، نیابت اور پیروکاری ہی کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آغاز

سے ہی اپنے آپ ''خلیفۃ الرسول ﷺ'' کہلوانا پسند فرمایا اور یوں خلافت کی دستوری تعریف متعین کر دی۔ قرآن وحدیث کے متعین کردہ اصولوں اور واضح اعلان کے ساتھ، تاریخی حقائق اور عقلی ونقلی دلائل کی روشنی میں یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ اسلامی تاریخ میں دورِ خلافت سے مراد رسول اللہ ﷺ کے خلفاء اربعہ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ) کا عہد زریں (۱۱ تا ۴۰ ھ) ہے۔ یہی حقیقی معنوں میں رسول خدا ﷺ کی نیابت ہے جو تاریخ انسانی میں خلافت راشدہ کے نام سے جانی جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے خلفاء کے ساتھ ''الراشدون'' یا ''راشدین'' کا اضافہ اور آپ ﷺ کی جانشین حکومت کے لئے ''خلافت راشدہ'' کی اصطلاح دراصل قرآن کریم اور احادیث رسول ﷺ سے ماخوذ ہے۔ قرآن پاک میں رُشد کا لفظ یوں آیا ہے:

﴿لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ ……﴾(72)

امام راغب کے مطابق:

الرشد و الرُّشْد، غی کی ضد ہے اور یہ لفظ، ہدایت اور راست روی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔(73)

گویا خلافت راشدہ سے مراد ''راست رو حکومت'' یا ''ہدایت یافتہ حکومت'' ہے۔ چونکہ خلافت راشدہ کے مصداق صرف وہ خلفاء ٹھہرتے ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ کی براہ راست تربیت کا برسوں تک شرف حاصل رہا اور وہ مسلسل رسول اللہ ﷺ کی مجلس مشاورت کے رکن رہے، لہٰذا مسلمانوں میں ان کی سیاسی حاکمیت کا نام ''خلافت راشدہ'' قرار پایا۔ جناب رسول کریم ﷺ کے درج ذیل فرمان نے ان کے لیے یہ اصطلاح مخصوص کر دی:۔

عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين.(74)

(تم پر میری اور میرے خلفاء راشدین کے قانون کی اطاعت واجب ہے۔)

ابن الاثیر کہتے ہیں کہ رشید وہ ہے جو عوام خلق کی راہنمائی ان کے عام مصالح مقاصد اور ان کی عمومی فلاح کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ کرے۔(75)

اسی طرح علامہ محمود آلوسی نے لکھا ہے کہ رشد سے مراد ہی راہنمائی کا اعلیٰ اور کامل نمونہ ہے......ایسی کامل راہنمائی جو دین ہی نہیں دنیا کے معاملات سے بھی تعلق رکھتی ہو اور نوامیس الٰہیہ، خدائی قوانین کے مطابق ہو:

وهو الرشد الكامل .... الاهتداء الى وجوه الصلاح في الدين و الدنيا و الارشاد بالنواميس الالهية (76)

خلافت راشدہ کا یہ مفہوم اس حکومت کے صحیح اور واجب التعمیل ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور یہ بات مکمل طور پر جناب رسول کریم ﷺ کی اس حدیث سے واضح ہو جاتی ہے جو علامہ آلوسی نے قرآنی آیت: ﴿و شاورهم في الأمر﴾ (آل عمران ۱۵۹)

کی تشریح میں درج کی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کو شوریٰ کی ضرورت نہیں، لیکن اللہ نے قانون شوریٰ امت کے لئے رحمت بنا کر جاری کیا ہے، جو اس قانون پر چلے گا وہ " رُشد " کو ہاتھ سے نہ دے گا اور جو اس کی خلاف ورزی کرے گا وہ گمراہی کے راستہ سے گم نہ ہوگا۔ (77)

یہ حدیث خلافت راشدہ کی اہمیت پر دلالت کرتے ہوئے نہ صرف اس کی توثیق کرتی ہے بلکہ انسانی ہدایت کا بنیادی معیار خلافت کے سیاسی نظام کو قرار دیتی ہے۔ اس بنیاد پر خلفائے راشدین کی حکومت دین اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے جس کو مانے بغیر مسلمان کا ایمان اور ہدایت پر ہونا قابل اعتبار نہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کی جب اور جہاں ریاست و حکومت قائم ہو اس کے لئے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی پیروی میں ہونا لازمی و لابدی ہے کیونکہ قرآن میں خود اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ موجود ہے کہ:

﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ط وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا۝﴾ (78)

(اور جو رسول ﷺ کی مخالفت پر کمربستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے، درآں حالے کہ اس پر راہِ راست واضح ہو چکی ہو، تو اسے ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔)

مراجع وحواشی

۱۔القرآن الحکیم،البقرہ:۳۰،

۲۔الطبری،محمد ابن جریر،جامع البیان،مصطفیٰ البابی،مصر۔۱۹۶۷ء ج ۱ص ۱۹۹،

۳۔امام راغب اصفہانی،مفردات،دارالفکر بیروت۔۱۴۰۴ھ،ص ۹۴،

۴۔الروم:۱،۲، ۵۔الاعراف:۱۰، ۶۔ایضا:۵۴

۷۔مفردات،ص ۱۶، ۸۔جامع البیان ج ۱ص ۱۹۸،

۹۔الرازی،فخرالدین،تفسیر الکبیر،دارالکتب العلمیہ،بیروت ۱۹۹۰ء،ج ۱ص ۱۵۲،

۱۰۔الانعام:۹۲،الشوریٰ:۷، ۱۱۔آل عمران:۹۶

۱۲۔الحج:۲۹،۳۳،۱۳۔البقرہ:۳۶،الاعراف:۲۴

۱۴۔عبدالماجد دریا آبادی،ترجمہ القرآن،تاج کمپنی،کراچی۔۱۹۵۲ء ج ۱ص ۱۴۶،۳۲۷،

۱۵۔الاعراف:۱۶۹،مریم:۵۹،

۱۶۔ابن منظور،لسان العرب،بیروت ۱۹۵۶ء،ج ۳ص ۸۲، ۱۷۔ایضاً ص ۸۳،

۱۸۔فیروزآبادی،محمد بن یعقوب،القاموس المحیط،مصطفیٰ البابی،مصر۔۱۹۵۲ء ج ۳ص ۱۳۷

۱۹۔(ا)الانعام:۱۶۵،یونس:۱۶،۷۳،فاطر:۳۹، (ب)الاعراف:۶۹،۷۴،النمل:۶۲

۲۰۔مرتضیٰ زبیدی، تاج العروس،دارالفکر،بیروت ۱۹۹۴ء،ج ۱۲ص ۱۸۴،۱۹۵،

۲۱۔مفردات:۱۵۵،۱۵۶، ۲۲۔جامع البیان،ج ۱ص ۱۹۸،

۲۳۔ابن الجوزی،عبدالرحمٰن،زادالمسیر،مکتب الاسلامی،بیروت۔۱۹۶۴ء،ج ۱ص ۶۰،

۲۴۔الزمخشری،محمود بن عمر،الکشاف،مطبعۃ الاستقامۃ،مصر۔۱۹۴۶ء،

ج ۱ص ۲۹،۸۹/۴،تفسیر الکبیر ۱۵۲/۱

۲۵۔القرطبی،محمد بن احمد،الجامع لاحکام،دارالکتب العربیہ،مصر۔۱۹۶۷،ج ۱ص ۲۶۳،

۲۶۔الشوکانی،محمد بن علی،فتح القدیر،مصطفیٰ البابی مصر۔۱۳۴۹ھ،ج ۱ص ۴۹،

۲۷۔ جامع البیان: ج ا رص ۲۰۰، ۲۸۔ الجامع لاحکام، ج ا رص ۱۶۳،

۲۹۔ فتح القدیر ج ا رص ۴۹، ۳۰۔ الطنطاوی، تفسیر الجواہر، مصطفیٰ البابی، مصر۔ ۱۳۵۰ھ، ج ا رص ۵۲

۳۱۔ آلوسی، شہاب الدین محمود، روح المعانی، دارالفکر، بیروت۔ ۱۹۹۷ء، ج ا رص ۲۲۰،

۳۲۔ امام راغب اصفہانی، مفردات، ص ۲۵۳، ۳۳۔ تفسیر القرآن العظیم، ج ۴ رص ۳۲

۳۴۔ یوسف: ۲۱، ۲۲، ۳۵۔ آل عمران: ۱۴۲، ۱۵۰، ۳۶۔ الحدید: ۲۵،

۳۷۔ الاعراف: ۵۴، ۳۸۔ زادالمسیر، ج ا رص ۶۰،

۳۹۔ تفسیر القرآن العظیم، ج ا رص ۱۷، ۴۰۔ تفسیر الکبیر، ج ا رص ۱۵۲

۴۱۔ جامع البیان، ج ۱۹ رص ۴، ج ۱۸ رص ۱۵۸، ۴۲۔ زادالمسیر، ج ۳ رص ۲۲۲،

۴۳۔ الکشاف، ج ۴ رص ۸۹، ۴۷۳، ج ۲ رص ۱۱۷

۴۴۔ ابوالکلام آزاد، مسئلہ خلافت، داتا پبلشرز، گنپت روڈ، لاہور۔ ۱۹۷۸ء، ص ۶

۴۵۔ الاعراف: ۳۵، ابراہیم: ۱۱، الانعام: ۱۳۰، مریم: ۳۰

۴۶۔ الحدید: ۲۵، ۲۶، الشوریٰ: ۵۱، الشعراء: ۹۳، الانعام: ۸۵، الجمعہ: ۲

۴۷۔ آل عمران: ۳، البقرۃ: ۱۲۴، ۴۸۔ یوسف: ۲۱، ۲۲، ص: ۲۶

۴۹۔ پیدائش ۲: ۵، ۷، ۳: ۲۴، ۵: ۱، ۲، البقرۃ: ۳۰ تا ۳۶، ۵۰۔ الاحزاب: ۴۰، البقرۃ: ۳۶،

۵۱۔ امام راغب، مفردات، ص ۳۱۵، ۳۱۶، ۵۲۔ النور: ۵۵،

۵۳۔ سید مودودیؒ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور۔ ۱۹۹۱: ج ۳ رص ۴۱۸

۵۴۔ الانعام: ۱۶۵، ۵۵۔ الاعراف: ۶۹، ۷۴، ۱۲۹، یونس: ۱۴

۵۶۔ تفسیر الجواہر، ج ا رص ۵۴ تا ۵۶،

۵۷۔ سید رشید رضا، المنار، دارالمنار، مصر۔ ۱۳۶۶ھ ج ا رص ۲۵۷ تا ۲۶۰،

۵۸۔ سید قطب، فی ظلال القرآن، دارالاحیاء الکتب العربیہ، مصر، ج ا رص ۶۵، ۶۶

۵۹۔ سید مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور۔ ۱۹۹۱ء، ج ا رص ۶۲

٦٠۔ایضاً،ج رص ،

٦١۔(ا)ص:٧٥،ذٰریٰت:٥٦،البقرۃ:٣٠، (ب)التین:٤، الانفطار:٧

(ج)ہود:٥،لقمان:٣٠،الاسراء:٧٠،(د)الانسان:٣،الشمس:٧،٨،الاعراف:١١

(ر)الاحزاب:٧٢،المومنون:١١٥،التکاثر:٧

٦٢۔مفتی محمد شفیع،معارف القرآن،ادارۃ المعارف،کراچی۔١٩٨٨ء،ج ١رص ١٨٥،

٦٣۔ابن العربی،محمد بن عبداللہ،احکام القرآن،دارالمعرفت،بیروت۔١٩٥٨ء،

ج ٣رص ١٣٨، ٦٤۔ابن خلدون،مقدمہ،منشورات،بیروت،ص ١٥٩،

٦٥۔حسن ابراہیم،النظم الاسلامیہ،بیروت۔١٩٦٤ء،ص ٢٨٨

٦٦۔ احمد بن حنبل،مسند احمد،دارالاحیاء التراث العربی،بیروت۔١٩٩١ء،

ج ٥رص ٣٤١تا ٣٤٢ ، ٦٧۔سید رشید رضا،الخلافۃ،مصر١٣٤١ھ،ص ١٠

٦٨۔الماوردی،علی بن احمد،الاحکام السلطانیہ،مصر۔١٩٦٠ء،ص ٥،

٦٩۔مقدمہ ابن خلدون،ص ١٧، ٧٠۔شاہ ولی اللہ،ازالۃ الخفاء،لاہور۔١٩٧٦ء،ص ٢،

٧١۔امین احسن اصلاحی،اسلامی ریاست،انجمن خدام القرآن،لاہور۔١٩٧٧ء،ص ١٥

٧٢۔البقرۃ:٢٥٦،الحجرات:٧، ٧٣۔مفردات،ص ١٩٦

٧٤۔مسند احمد،ج ٤رص ٢٧٣،مجمع الزوائد،ج ٥رص ١٨٩،

٧٥۔ابن اثیر،علی بن احمد،الکامل،طباعۃ المنیریہ،دمشق۔١٣٥٦ھ،ج ٢رص ٨٦

٧٦۔روح المعانی،ج ١٧رص ٨٦، ٧٧۔ایضاً،ج ٤رص ١٦٦، ٧٨۔النساء:١١٥

****